محمد ذکوان ندوی

رفقاے المورد کے نام

[زیر نظر تحریر اصلاً ایک خط پر مبنی ہے۔ اِس کی عمومی اشاعت مطلوب نہیں تھی۔ تاہم حال میں اِسے دیکھ کر رفقاے المورد، خصوصاً برادرم محمد حسن الیاس (اکیڈمک ڈائریکٹر غامدی سنٹر، امریکا) نے کھلے دل سے قدر افزائی کرتے ہوئے اصرار فرمایا کہ اِسے ضرور شائع کیا جائے۔ لہٰذا اب بعد از نظر ثانی اِسے رفقا و ناظرین کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔

راقم مختلف مکاتب فکر، مدارس، اسکول و کالج اور متعدد نیشنل اور انٹر نیشنل، دونوں طرح کے اداروں اور افراد سے بہت قریبی طور پر وابستہ رہا ہے۔ تاہم، تجربات شاہد ہیں کہ اِن تمام مذہبی اور غیر مذہبی اداروں کے درمیان ''المورد'' وہ واحد ادارہ ہے جو علمی تنقید کے معاملے میں اب تک ایک استثنائی ادارہ ثابت ہوا ہے۔ یہاں نہ صرف بشاشت کے ساتھ تنقید سننے، بلکہ اپنے خلاف باتوں کی اشاعت اور اُس کی حوصلہ افزائی کا ایک استثنائی ماحول پایا جاتا ہے۔ چنانچہ اپنے نقطۂ نظر پر اب تک کی گئی تمام علمی تنقیدات کو المورد نے خود باقاعدہ اپنے ذاتی ویب سائٹ پر شائع کر دیا ہے۔ دوسرے متعدد تجربات کے علاوہ، زیر نظر تحریر خود اِس علمی اور اخلاقی طرز عمل کا ایک زندہ ثبوت ہے۔

زیر نظر خط دیکھنے کے بعد المورد کے تمام احباب نے نہ صرف اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا، بلکہ اِس پر نظر ثانی کر کے اِسے ایک خط کے بجاے اب ایک مستقل تحریر کی صورت دینے کا مشورہ دیا تاکہ اِس کی افادیت واضح ہو اور لوگ سنجیدگی کے ساتھ اِس پر توجہ دے سکیں۔ چنانچہ پہلے اِس کو علی حالہٖ ماہنامہ اشراق، امریکا کے صوتی اور تحریری، دونوں ایڈیشن (مئی ۲۰۲۴ء) میں شائع کیا گیا۔ البتہ، اب مزید اضافہ و نظر ثانی کے بعد دوبارہ اِس کو شائع کیا جا رہا ہے۔

یہ برتر علمی اور اخلاقی روایت المورد کے محترم بانی اور مربی استاذ جاوید احمد غامدی نے مسلسل خود اپنے قول اور عمل سے قائم فرمائی ہے۔ یہ وہ عظیم عملی نمونہ ہے جسے لازماً ہمارے اداروں کو اختیار کرنا چاہیے۔ اِس کے بغیر نہ کوئی منظم اور کارآمد ٹیم بن سکتی ہے، اور نہ مطلوب انداز میں کبھی ایک کامیاب ادارے کو چلایا جا سکتا ہے۔ جس ادارے میں خوے دل نوازی اور قدر دانی کا فقدان ہو اور جہاں کھلے ذہن کے ساتھ اپنے خلاف سننے اور اُس کی حوصلہ افزائی کا یہ مطلوب ماحول نہ ہو، وہاں صرف مفاد پرستانہ مزاج اور فکری جمود پیدا ہوگا، نہ کہ علمی اور اخلاقی ارتقا۔ اِس نامطلوب صورت حال کے ذمہ دار دوسرے لوگ نہیں، بلکہ صرف اداروں کے ارباب حل وعقد ہیں۔ یہی لوگ خود شعوری یا غیر شعوری طور پر اپنے گرد اِس قسم کا دہرا ماحول پیدا کرتے ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ اچھی یا بری روایت ہمیشہ بڑے لوگ قائم کرتے ہیں، نہ کہ چھوٹے لوگ۔

محمد ذکوان ندوی]

استاذ گرامی جناب جاوید احمد غامدی کے ساتھ شعر وادب، فلسفہ وشریعت، اِسرا و معراج، حکمت و قانون، نکاح و طلاق، اصول و مبادی اور نظم کلام جیسے علمی موضوعات پر گفتگو بہت اہم اور قابل قدر ہے۔ ہم جیسے طلبہ کو چاہیے کہ وہ اِسے گہرائی کے ساتھ سمجھیں اور فکر فراہی پر مبنی اِس عظیم علمی روایت سے بھرپور انداز میں استفادہ کریں۔ علم دین سے دل چسپی رکھنے والے افراد کے لیے اِن مباحث کی تفہیم اور تحقیق کا کام، بلاشبہ ضروری ہے۔ فکری بصیرت اور علمی استعداد کی اِس ضرورت سے ہرگز انکار نہیں کیا جا سکتا۔

تاہم، عالمی سطح کے پورے ایک ادارے اور اُس کے تمام افراد کا مستقل طور پر صرف چند مخصوص موضوعات تک محدود ہو کر رہ جانا ہرگز کوئی صحت مند طرز عمل نہیں ہو سکتا۔ یہ صورت حال اکثر علمی اور ذہنی ارتقا کے بجاے فکری جمود کا پیش خیمہ ثابت ہوتی ہے، کیونکہ یہ ایک نفسیاتی حقیقت ہے کہ جہاں سارے لوگ ایک ہی انداز میں سوچتے ہوں، وہاں عموماً جو کچھ ہوتا ہے، وہ ذہنی ارتقا نہیں، بلکہ صرف فکری اور ذہنی جمود ہوا کرتا ہے:

When everyone thinks alike, no one thinks very much.

گروہی عصبیت اور تحزب سے اجتناب

اِسی کے ساتھ، ہمارے لیے انتہائی حد تک ضروری ہے کہ ہم مسلسل اپنی اخلاقی روایت کے مطابق، اِسی طرح اپنے آپ کو تمام تعصبات سے محفوظ رکھنے کی کوشش کریں۔ استاذ جاوید احمد غامدی نے ایک قرآنی لفظ

'رِجس' (یونس ۱۰: ۱۰۰) کی وضاحت کرتے ہوئے ایک بار راقم سے فرمایا تھا کہ 'رِجس' کی بہت سی قسمیں ہیں۔ چنانچہ تعصب بھی 'رِجس' کی ایک قسم ہے۔ تعصب، علم کا 'رِجس' ہے۔ تعصب حصول علم کے لیے نہ صرف ایک رکاوٹ ہے، بلکہ اِس سے علم اپنی خالص اور بے آمیز صورت میں باقی نہیں رہتا۔ تعصب، علم کو آلودہ اور ذہن و فکر کو جامد بنا کر رکھ دیتا ہے۔

ایک زوال یافتہ قوم، بلاشبہ اکثر اپنے بڑے لوگوں کو نگل جاتی ہے۔ ایسے لوگوں کا نصف اول، عموماً افکار کا جنگل طے کرنے میں، اور نصف ثانی اِس قوم کے درمیان پھیلے ہوئے بے معنی مسائل و مباحث کا دنگل لڑنے میں گزر جاتا ہے۔ تاہم فکری اور تجدیدی نوعیت کے کام کا عزم لے کر اٹھنے والے افراد کے لیے ضروری ہے کہ وہ انتخابی طریقہ (selective pattern) اختیار کریں تاکہ وقت اور توانائی کو متعین اہداف پر مرتکز رکھ کر مطلوب کام انجام دیا جا سکے۔

یہ ہمارا اخلاقی فریضہ ہے کہ ہم بہر صورت تہ دل سے اپنے اساتذہ کا احترام کریں۔ تاہم بہتر ہو گا کہ اِن جلیل القدر علما اور اساتذہ کے لیے ہم 'قبلہ و امام' جیسے تقدیسی پس منظر رکھنے والے القاب کے بجائے 'استاد' اور 'معلم' جیسے معزز علمی الفاظ کا استعمال کریں۔ ہمیں اپنے درمیان القاب سازی کے اُس مبتدعانہ کلچر کو ہرگز فروغ نہیں دینا چاہیے جو صرف مابعد رسالت دور میں پیدا ہونے والا ایک عجمی ظاہرہ ہے۔ اِس قسم کا ظاہرہ بتدریج اِن جلیل القدر علما اور اساتذہ کے لیے 'بے خطا' (infallible) اور 'برتر از زندگی' (larger-than-life) جیسے غلو آمیز تصورات کی افزایش کا سبب بنے گا، جو اخلاقی بلندی اور علمی ارتقا، دونوں کے لیے قاتل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اِس طرح جمود، تفرقہ اور گروہ بندی کا وہ نامطلوب ظاہرہ پیدا ہو گا جسے قرآن میں سخت معیوب قرار دیا گیا ہے (الروم ۳۰: ۳۱-۳۲)۔

کام کا مطلوب معیار

المورد دینی موضوعات پر تحریر و تحقیق اور اُس کی نشر و اشاعت پر مبنی ایک علمی اور دعوتی ادارہ ہے۔ اِس طرح کے اداروں سے وابستہ افراد کے لیے ضروری ہے کہ وہ ہمیشہ اِس حقیقت کا زندہ استحضار رکھیں کہ صرف ایمان و اخلاق کی روح ہماری کامیابی اور ناکامی کا اصل معیار ہے۔

مجرد تحریر و تحقیق کرنا، خطابت کے جوہر دکھانا، صوتی اور بصری پروگرام بنانا، کتب اور رسائل کا کاغذی دفتر تیار کرنا اور مضامینِ نو کا انبار لگا دینا ہرگز کوئی دینی عمل نہیں۔ مقبول دینی عمل (المائدہ ۵: ۲۷) وہی ہے جس میں

تقویٰ واخلاص کارفرما ہو، جس سے خود آدمی کے اندر خوف خدا (المومنون ۲۳: ۶۰۔ الدہر ۷۶: ۱۰) کا جذبہ بیدار ہو اور اُس کی اپنی شخصیت کے اندر ربانیت (آل عمران ۳: ۷۹) اور تزکیۂ نفس کا عمل جاری ہو سکے۔

ایمان واخلاق کوئی الگ چیز نہیں، اِس سے مراد وہی چیز ہے جسے قرآن میں بار بار ایمان اور عمل صالح کے الفاظ میں بیان کیا گیا ہے، یعنی خداے برتر کی ذات وصفات پر سچا یقین اور اِسی یقین واذعان کے مطابق، عملاً اپنی پوری زندگی کی تعمیر وتشکیل۔

اِس حقیقت پر عمل پیرا ہوئے بغیر، تحریر وتحقیق کی حیثیت محض ایک ایسے سیکولر کام کی ہو گی جس کی توفیق اِس دنیا میں کبھی ایک غیر دینی شخص کو بھی مل جاتی ہے (وإنَّ اللّٰهَ لَيُؤَيِّدُ هذا الدِّينَ بالرَّجُلِ الفاجِرِ. بخاری، رقم ۶۶۰۶۔ مسلم، رقم ۱۱۱)۔

اِس طرح کا ایک کام اُس وقت تک دینی عمل کا مصداق اور تزکیۂ نفس کا محرک نہیں بن سکتا، جب تک وہ ایمان واخلاق کے تقاضوں کو بیدار اور اُس پر قائم کرنے کا ذریعہ ثابت نہ ہو۔

اِس روح کے بغیر دعوت، تعلیم اور تحریر وتحقیق جیسے یہ تمام مظاہر صرف حبط اعمال (ہود ۱۱: ۱۶) کا مصداق بن کر رہ جائیں گے، خداوند ذوالجلال کے نزدیک اُن کی حیثیت ایک پرِکاہ کے برابر بھی نہیں ہو سکتی۔ اِس اصل محرک کے بغیر عمل کی ابدی میزان میں اِن بے روح سرگرمیوں اور سیاہ وبے نور لکیروں کا ہرگز نہ کوئی وزن وتاثر ہو سکتا ہے، اور نہ ہی یہ مظاہر رضاے الٰہی اور رحمت وبخشش کا سبب بن سکتے ہیں۔

اِس کے برعکس، ایمان واخلاق اور صدق واخلاص کے ساتھ کیا جانے والا عمل تزکیۂ نفس اور رضاے الٰہی کا ذریعہ ثابت ہو گا۔ یہی تزکیہ واخلاص ہماری صفوں میں اتحاد پیدا کرنے اور ہر حال میں ہمیں ایک بنیانِ مرصوص (الصف ۶۱: ۴) کی طرح متحد ہو کر محض اللہ کی رضا، انسانیت کی بھلائی اور اُس کی ابدی فلاح وبہبود کے لیے تعلیم و دعوت اور علم وتحقیق کے مطلوب کاموں کا پاکیزہ اور طاقت ور حوصلہ عطا کرے گا۔

علم اور معلومات کا فرق

خدا کے دین میں، علم سے مراد مجرد تعلیم ودعوت، تحریر وتحقیق اور صرف معلومات کا دفتر ہرگز نہیں، بلکہ علم سے مراد ایمان واخلاق کے تقاضوں کی تعمیل ہے۔ قرآن میں ایسے ہی لوگوں کو اہل علم اور اہل عقل (الزمر ۳۹: ۹) قرار دیا گیا ہے جو ایمان واخلاق اور خشیت (فاطر ۳۵: ۲۸) کے اِن اوصاف سے بہرہ ور ہوں۔

چنانچہ صرف اُنھی لوگوں کو اہل علم (القصص ۲۸: ۸۰) تسلیم کیا گیا ہے جو دنیوی زینت، شہرت و وجاہت،

مادی منفعت، زر و زمین کی بہتات، اور عہدہ و منصب جیسی عارضی چیزوں کے مقابلے میں، ہمیشہ ایمان، عمل صالح اور صدق و اخلاص جیسی ابدی چیزوں کو ترجیح دیں اور لوجہ اللہ، صبر و عزیمت کے ساتھ تاعمر اِسی راستے پر گام زن رہنے کی جد و جہد جاری رکھیں۔

نئی پیش رفت کی ضرورت

موجودہ حالات میں ضرورت ہے کہ دیگر متعلق صلاحیتوں کے حامل افراد مروجہ اور مخصوص قسم کے نظریاتی موضوعات پر کام کے ساتھ ساتھ، انسانیت کو درپیش اُن دوسرے علمی، فکری اور عملی امور کو بھی اپنے کام اور تحقیق کا موضوع بنائیں جو اِس عہد نو، خصوصاً مابعد کورونا (Post-Corona) دور میں پوری انسانیت کے سامنے مزید شدت کے ساتھ ابھر کر آگئے ہیں۔

مثلاً موجودہ زمانے میں خود دوا اور بنیادی غذائی اشیا میں پیدا کردہ عظیم فساد (GMOs) اور دیگر خلاف فطرت سرگرمیوں کی بنا پر 'تغییر خلق' (النساء ۴: ۱۱۹) کا مہلک ترین چیلنج انسانیت کو درپیش ہے۔ اِس کے ذریعے سے عملاً ہر سطح پر انسان کو غیر انسان بنائے جانے (dehumanization) کا عمل انتہائی تیزی کے ساتھ جاری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ٹرانس ہیومن ازم (trans-humanism) یا ماورائے انسانیت دور میں اب بار بار یہ کہا جارہا ہے کہ بطور انسان غالباً یہ ہماری آخری صدی ہوگی۔

مشہور برطانوی سائنس دان اسٹیفن ہاکنگ (وفات: ۲۰۱۸ء) نے اِس خطرے کا اظہار کرتے ہوئے کہا تھا کہ 'مشینی ذہانت' کا یہ لامتناہی ارتقا خود انسانی نسل کے خاتمے کی قیمت پر ہوگا:

The development of full artificial intelligence could spell the end of the human race. [The Economic Times, March 14, 2018]

'تغییر خلق' کے اِن نامطلوب فسادات کے نتیجے میں نہ صرف مہلک بیماری اور عدم تغذیہ کا ناقابل تلافی بحران پیدا ہو گیا ہے، بلکہ اِس فساد کے ذریعے سے خود اُس جوہر فطرت اور روح آدمیت ہی کا خاتمہ کیا جارہا ہے جو وحی اور رسالت کی اصل مخاطب ہے۔ لہٰذا ہمیں غور کرنا چاہیے کہ جب خود انسان انسان نہ رہے، اُس وقت کوئی ربانی دعوت کس طرح موثر ثابت ہو سکتی ہے؟ ایسی حالت میں، یہ سمجھنا مشکل نہیں کہ دوسرے مطلوب کاموں کے ساتھ، اِس وقت ہمارا اولین ترجیحی کام کیا ہونا چاہیے۔

ایسی حالت میں، صرف بال و ناخن کے مسائل، تطہیر بدن کے احکام، ازدواجی عمل کے شرعی حدود، ڈاڑھی و

پردہ کے آداب اور خواجہ سراؤں کے حقوق جیسے مباحث کی مسلسل تکرار کے بجائے، ضرورت ہے کہ قرآنی رہنمائی کے تحت، انسانیت کو درپیش دوسرے بہت سے اہم علمی اور عملی مسائل کو اپنا موضوع بنایا جائے۔ مثلاً: صنفی انارکی، ازدواجی بحران، سرمایہ دارانہ جبر واستحصال، ماحولیاتی آلودگی، موسمی تبدیلی، گلوبل وارمنگ، مسکرات اور منشیات کا سرطانی پھیلاؤ اور تمام بنیادی اشیاے خور و نوش، حتیٰ کہ پانی اور ہوا جیسی عمومی اشیا کو مہلک کثافت اور کیمیائی فساد سے بچا کر پاکیزہ اور صحت بخش بنانے کا عملی حل، موبائل ایڈکشن، سوشل میڈیا سنامی، حقیقی دنیا کے بجاے مفروضہ دنیا (virtual world) کا چیلنج جس نے اصل معرکۂ حیات سے کاٹ کر آج کے 'ترقی یافتہ' آدمی کو غیر آدمی (dehumanised) بنا کر رکھ دیا ہے۔ اِسی طرح حقیقی زندگی (real life) کے بجاے فرضی زندگی (reel life) کے عظیم بحران کا چیلنج، وغیرہ۔

کثیر لسانی اور کثیر الفنون صلاحیت کی ضرورت

اِس کام کے لیے ضروری ہے کہ ہمارے نوجوان اپنے اندر باقاعدہ طور پر کثیر لسانی اور کثیر الفنون صلاحیت (multilingual & multidisciplinary efficiency) پیدا کریں۔ مثلاً قدیم مذہبی صحائف کی اصل زبانوں میں لکھنے، پڑھنے اور بولنے میں سے، کسی ایک یا تمام سطحوں کی صلاحیت پیدا کی جائے — عبرانی، ارامی، یونانی اور سنسکرت، وغیرہ؛ نیز عربی و فارسی کے ساتھ جرمن، ترکی، لاطینی، فرانسیسی اور انگریزی، وغیرہ۔ اِس سے اُن کا ذہنی افق مزید وسیع ہوگا اور وہ زیادہ گہرائی کے ساتھ متعدد فکری ابعاد اور مختلف علمی جہات سے واقعات کا بھرپور تجزیہ کر سکیں گے۔ اِس ضروری استعداد کے بغیر اِس زمانے میں، صرف مروجہ قسم کے محدود ذہنی اور علمی پس منظر کے ساتھ تجدید و احیاے اسلام کا نازک کام مطلوب صورت میں انجام نہیں دیا جا سکتا۔

اِن ضروری 'آلات' کے بغیر نہ تاریخ کی عمیق برماکاری (deep drilling) کا وہ عمل ممکن ہے جو اصل حقائق کو بے نقاب کر سکے، اور نہ چودہ صدیوں پر محیط عظیم فکری اور علمی ملبے کے نیچے دفن بہت سے خزائن و باقیات تک رسائی ممکن نظر آتی ہے۔ اِس معاملے کی اہمیت کا شعور اگر بیدار ہو جائے تو اچھا ذہن اور قوت حافظہ رکھنے والے طلبہ کے اندر اِس قسم کی کثیر لسانی اور کثیر الفنون صلاحیت پیدا کرنا کوئی مستبعد شے نہیں۔ غالباً اِسی طرح کے بہت سے خزانوں کو دیکھ کر اقبال نے ایک صدی قبل یہ صدا لگائی تھی:

مگر وہ علم کے موتی، کتابیں اپنے آبا کی
جو دیکھیں اُن کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے، سیپارہ

المورد کی استثنائی نوعیت

الحمدللہ، اب تک المورد کے تحت کئی اسلامی موضوعات پر اہم ترین علمی اور تحقیقی کام کیا جا چکا ہے۔ اِس کام کو اگر ایک لفظ میں بیان کیا جائے تو وہ ہو گا کتاب و سنت۔ مرکزی تصور دین کے اِحیا و تجدید کی عالمانہ جدوجہد۔ تاہم، اب اِسی کے ساتھ 'لائف کوچنگ' (Life Coaching) کے اہم ترین عصری اور انسانی موضوعات پر بھی المورد کے احباب: جناب معز امجد، جواد احمد غامدی اور ڈاکٹر شہزاد سلیم جیسے سنجیدہ اور علم دوست افراد کے ذریعے سے انتہائی قابل قدر کام انجام پا رہا ہے۔

میرے علم کے مطابق، المورد اپنے فکر و مقاصد کے اعتبار سے، معروف معنوں میں نہ محض ایک روایتی قسم کا ادارہ ہے اور نہ اُس کے سنجیدہ اور ذی علم و صاحب فکر احباب میری طرح صرف مدرسے کے فارغ التحصیل ایک مولوی۔ المورد اپنے نظم و معیار، برتر اخلاقیات، ذوق جمال، اعلیٰ ادبی مذاق، علمی اور فکری وسعت، اور رفقاے کار کے جدید عصری اور اسلامی، دونوں پس منظر رکھنے کی بنا پر شاید دوسرے بہت سے اداروں کی بہ نسبت زیادہ اِس پوزیشن میں ہے کہ وہ اپنے پیش نظر دوسرے اہم مقاصد کی تکمیل کے ساتھ ساتھ، وقت کے حقیقی اور زندہ مسائل کو زیادہ بہتر طور پر ایڈریس کرے۔ اِس طرح المورد کے لیے یہ ممکن ہو گا کہ وہ استاذ جاوید احمد غامدی کے اِس عظیم خواب کی تعبیر بن سکے:

اِس زمانے کو بھی دیں اور زمانہ کوئی
پھر اُٹھیں، ولولۂ علم و ہنر تازہ کریں!

بعض مرتبہ عالمی پلیٹ فارم پر روایتی اور فرسودہ و غیر متعلق قسم کے مباحث اور لاحاصل فنی قیل و قال کی تکرار مسلسل دیکھ کر اکثر یہ خیال آتا ہے کہ جن چیزوں پر فراہی سے لے کر غامدی تک کے جلیل القدر اہل علم مسلسل لکھتے اور بولتے رہے ہیں، جدید بحرانی حالات میں بھی اُنھی مباحث پر اکتفا کر کے صرف چند مخصوص موضوعات پر بحث و تمحیص شاید اپنے وقت اور توانائی کا زیادہ بہتر استعمال نہیں۔ تاریخ کا فیصلہ ہرگز ہمارے متعلق وہ نہیں ہونا چاہیے جسے اقبال نے اِن الفاظ میں بیان کیا تھا:

کر سکتے تھے جو اپنے زمانے کی امامت
وہ کہنہ دماغ اپنے زمانے کے ہیں پیرو!

ہمیں شعوری طور پر اِس ابدی حقیقت سے باخبر رہنا چاہیے کہ ہمارا کام ابھی ختم نہیں ہوا۔ ابھی بہت سے پتھر الٹنا، بہت سی وادیاں طے کرنا اور بہت سی اُن دیواروں کا انہدام باقی ہے جو خدا اور اُس کے بندوں کے درمیان ایک مقدس 'ابدی چٹان' بن کر مسلسل طور پر حائل ہیں:

گماں مبر کہ بہ پایاں رسید کارِ مغاں
ہزار بادۂ ناخوردہ، در رگِ تاک است!

اِس صورت حال کو دیکھ کر بسا اوقات دل چاہتا ہے کہ اِس قسم کے مخلص اور باصلاحیت احباب سے اقبال کی زبان میں، غالب کے اِن معذرت خواہانہ اشعار کے ساتھ، عرض کیا جائے کہ:

میں جو گستاخ ہوں، آئین غزل خوانی میں
یہ بھی تیرا ہی کرم، ذوق فزا ہوتا ہے
رکھیو غالب، مجھے اِس تلخ نوائی میں معاف
آج کچھ درد مرے دل میں سوا ہوتا ہے!

شاعر حقیقت علامہ اقبال کی یہ نواے سروش ذیل میں ملاحظہ فرمائیں:

اے اہل نظر، ذوقِ نظر خوب ہے، لیکن
جو شے کی حقیقت کو نہ دیکھے، وہ نظر کیا!
بے معجزہ دنیا میں ابھرتی نہیں قومیں
جو ضربِ کلیمی نہیں رکھتا، وہ ہنر کیا!؟
آتی ہے دمِ صبح صدا عرش بریں سے
کھویا گیا کس طرح ترا جوہر ادراک!
کس طرح ہوا کند ترا نشتر تحقیق
ہوتے نہیں کیوں تجھ سے ستاروں کے جگر چاک!
باقی نہ رہی تیری وہ آئینہ ضمیری
اے کشتۂ سلطانی و ملائی و پیری!

مروجہ روایات کی حمالی

واقعات کا گہرا اور بے لاگ تجزیہ بتاتا ہے کہ خلافت راشدہ کے بعد اٹھنے والے بہت سے عظیم مرتبہ اکابر ائمۂ فن واصول سے لے کر تادم تحریر، ہمارے اکثر افراد صرف مروجہ فنی، فقہی، کلامی، اصولی، اکتشافی اور رہبانی دنیا کے صحرا نورد اور 'قرون مشہود لہا بالخیر' کے بعد جاری تکییف (conditioning) کے تحت قائم اِجماع و تواتر کے اُس عظیم فکری اور مذہبی پشتارہ کی بے لوث 'حمالی' (الجمعہ ۶۲: ۵) پر مامور رہے ہیں جس کے بیش تر حصے کو اللہ اور رسول کا استناد حاصل نہیں۔ جو شخص یا گروہ تاریخ کی حمالی کے اِس بوجھ اور بصیرت کش تکییف کی اِس سیاہ دھند سے آزاد ہو کر روشن ضمیری اور بلند نظری کے ساتھ سوچنے کا حوصلہ رکھتا ہو، تاریخ کی امامت اب اُسی کا مقدر ہو گی:

ہے وہی تیرے زمانے کا امامِ برحق
جو تجھے حاضر و موجود سے بیزار کرے!
موت کے آئنے میں تجھ کو دکھا کر رخِ دوست
زندگی تیرے لیے اور بھی دشوار کرے!

تاریخ کا گہرا مطالعہ بتاتا ہے کہ ہمارے درمیان عام، متداول اور رائج احباری روایت پر مبنی اِس پشتارے کا تانا بانا اکثر قرآنی اور نبوی منہاج کے بجائے 'لتتبعنّ سنن من كان قبلكم...' (بخاری، رقم ۳۴۵۶۔ مسلم، رقم ۲۶۶۹) اور 'ليأتينّ على أمتي، ما أتى على بني إسرائيل، حذوَ النعل بالنعل...' (ترمذی، رقم ۲۶۴۱۔ مستدرک حاکم، رقم ۴۴۴) جیسی عظیم پیغمبرانہ اور چشم کشا پیشین گوئی کے مطابق، قدیم مذہبی 'تہوید، تنصیر اور تمجیس' (...فأبواه يهودانه، أو ينصرانه، أو يمجسانه. بخاری، رقم ۱۳۸۵) پر قائم رہا ہے۔

چناچہ اِس 'دین غریب' (إن هذا الدين بدأ غريبًا، وسيعود غريبًا كما بدأ. تخريج العواصم والقواصم، شعيب الأرنؤوط ۷/۳۰۹۔ مسلم، رقم ۱۴۵) کا حال یہ ہے کہ اِس کا بڑا حصہ قرآنی اور نبوی فقہ اور ایمان و حکمت سے زیادہ، اِسی مذکورہ 'مذہبی پشتارہ' سے مستفاد اور اِنھی کھوٹے اور کم عیار جوہرات سے مالا مال ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اِس خرمن مستعار کی خاکستر میں اکثر نبوی فقہ و تفقہ (التوبہ ۹: ۱۲۲)، ایمان و اخلاق اور معرفت حق (المائدہ ۵: ۸۳) کے سوا، اور سب کچھ پایا جاتا ہے (فيه كلّ شيءٍ إلا الفقه

والإیمان)۔

ہمارے اکثر متعربین و متغربین اور قدیم و جدید جامعات کے فارغین، اِسی زنداں کے اسیر اور اِسی مابعد عہد رسالت تکییف (Post- Prophetic Conditioning) پر قائم اُس شاکلے کی تقلید محض پر مجبور دکھائی دیتے ہیں جسے 'خلافت علیٰ منہاج النبوہ' (۶۳۲ء-۶۶۱ء) کے بعد 'دین فطرت' اور 'دین سماحت' (بعثتُ بالحنیفیة السمحة) کی جگہ 'اِصر و اَغلال' (الاعراف ۷: ۱۵۷) پر مبنی ایک نئے احباری اور رہبانی 'مذہب' کے طور پر رائج کیا گیا۔ اقبال نے درست طور پر کہا تھا:

سب اپنے بنائے ہوئے زنداں میں ہیں محبوس
خاور کے ثوابت ہوں کہ افرنگ کے سیار
پیران کلیسا ہوں کہ شیخان حرم ہوں
نے جدتِ گفتار ہے، نے جدتِ کردار

یہ اِسی عظیم فساد کا نتیجہ تھا کہ علماے حق گم نام، مطعون اور اکثر غیر موثر رہے اور ہمارے درمیان اصل فیصلہ کن عامل و بنیاد کی حیثیت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بجاے عملاً صرف 'مذہبی' قیادت کو حاصل ہو گئی، اور 'کتاب و سنت' دونوں بالآخر اُنھی کی تائید و تصویب پر منحصر ہو کر رہ گئے۔

چنانچہ عملاً یہ ہوا کہ مقتدیٰ اور میزان و فرقان کا وہ مقام جو صرف اللہ اور رسول کے لیے مخصوص تھا، وہ 'مذہبی علماے اصول' کو عطا کر دیا گیا۔ دین اللہ میں اِس فساد کا نتیجہ یہ ہوا کہ اصل 'قاعدہ' (کتاب و سنت) میں تحریف کا یہ عمل اِس معاملے میں گویا اُس بدنام زمانہ 'القاعدہ' کے ہم معنی بن گیا جو عملاً ایک ایسی فکری دہشت گردی ثابت ہوا جس کے نتیجے میں آزادانہ تحقیق کا دروازہ بند ہو گیا۔ چنانچہ اِس بحرانی صورت حال نے دین اللہ کے پورے ڈھانچے کو عملاً ڈائنامائٹ کر کے رکھ دیا۔

ظاہر ہے کہ جس نظام فکر میں نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے بجاے 'احبار اور رہبان' (التوبہ ۹: ۳۱) دین اللہ کے لیے میزان اور فرقان بن کر 'شارع اسلام' کے منصب پر فائز کر دیے جائیں تو پھر اِس زمین و آسمان کے نیچے اِس سے بڑا فساد اور کیا ہو سکتا ہے: 'وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهٗ'! ؟ (العنکبوت ۲۹: ۶۸)۔

چنانچہ شعوری یا غیر شعوری طور پر یہ حال ہوا کہ ہمارے اکثر ارباب علم با جبہ و دستار اِسی مابعد رسالت چھیڑے

ہوئے ساز پر رقص کناں، اِسی کے صغریٰ و کبریٰ کی تنقیح اور اسی کے متعین کردہ منہج و خطوط کی بنیاد پر انتہائی سنجیدگی اور اخلاص کے ساتھ دادِ تحقیق دینے میں شب و روز مصروف رہے۔ تاہم اِس کے باوجود انسانیت عامہ اور ملت اسلامیہ کا قافلہ دن بدن 'ھدٰی' (البقرہ ۲: ۱۲۰) و صلاح کے بجائے 'ھوٰی' (القصص ۲۸: ۵۰) و فساد کی طرف بڑھتا رہا اور اِس طرح، بالفاظ قرآن، عملاً یہ ہوا کہ 'اصلاح' (البقرہ ۲: ۱۱) کے بجائے گویا صرف 'فی سبیل اللہ فساد' (البقرہ ۲: ۱۲) کا رول ہمارا مقدر بن کر رہ گیا۔

یہ تاریخ کا عجیب المیہ ہے کہ اب ہمارے اکثر ادارے اپنے مخصوص خول میں بند ہو کر عملاً صرف ایک قیمتی دار الاشاعت اور ایسے دار التراجم بن چکے ہیں، جہاں سے شائع ہونے والے لٹریچر کا بڑا حصہ، اپنی تمام تر افادیت کے باوجود، اصل علمی اور فکری سوالات کا جواب، انسانیت کے زخم کا مرہم، اُس کے درد کا درماں اور اُس کو درپیش مسائل کے حل و ادراک سے یکسر خالی نظر آتا ہے۔

چنانچہ اب یہاں ایسے لکھنے اور بولنے والوں کی کثرت ہے کہ ''ابن مریم'' کے مقام پر فائز ہونے اور مسیحائی کا مقدس لبادہ اوڑھ لینے کے باوجود اُن کے پاس انسانیت کے درد کی کوئی دوا نہیں۔ مرزا اسد اللہ خاں غالب نے شاید ایسے ہی کسی موقع پر کہا تھا:

ابن مریم ہوا کرے کوئی
میرے دکھ کی دوا کرے کوئی
شرع و آئین پر مدار سہی
ایسے قاتل کا کیا کرے کوئی

چنانچہ ہمارے درمیان اب عملاً ایسی سرگرمیاں جاری ہیں جو محض قومی اور زوال یافتہ و بے روح مذہبی فکر و مراسم کی نمایندہ ہیں۔ اِن میں سے اکثر سرگرمیاں نہ انسان رخی (human-oriented) ہیں اور نہ اِن میں انسانیت عامہ کی بھلائی اور اُس کی فلاح کا کوئی سنجیدہ اور واقعی پروگرام نظر آتا ہے۔

خلاصۂ کلام

اب حالات کا تقاضا اور وقت کی پکار یہی ہے کہ نبی امی علیہ السلام کے سچے امتیوں میں ایسے خالص اور مخلَص امیین (مابعد رسالت تکییف سے خالی افراد) اُٹھیں جو اِس خرمن مستعار کی خاکستر سے ایک نئی دنیا پیدا کریں،

جو بے حسی اور مبتدعانہ روایت پرستی کا یہ طلسم توڑ کر دنیا کو علم، زندگی اور محبت کا تحفہ دے سکیں، جو اِس ’عالم ایجاد‘ میں ’صاحب ایجاد‘ بن کر کتاب و حکمت، عقل و فطرت اور پیغمبرانہ ہدایات پر مبنی ’علم و ایمان‘ (الروم ۳۰:۵۶) اور ’ربانیت و حسن اخلاق‘ (بنی اسرائیل ۱۷: ۲۳-۳۹) کی وہ عالم گیر دعوت، صداے لاہوتی اور وہ ’نغمۂ جبرئیل آشوب‘ بلند کر سکیں جو صدیوں سے جاری اِس احباری تقدس اور اِس فکری جمود کے لیے ایک ’ضرب کلیم‘ ثابت ہو اور جس سے عالم افکار میں ایک ایسا زلزلہ برپا ہو جس کا آج شاید زمین و آسمان کو سب سے زیادہ انتظار ہے۔ یہ علمی، ایمانی، اخلاقی اور ربانی زلزلہ گویا صور اسرافیل سے پہلے ایک عظیم فکری بھونچال کے ہم معنی ہو گا:

دنیا کو ہے، اُس مہدیِ* برحق کی ضرورت
ہو جس کی نگہ زلزلہ عالم افکار!

اِس سمع خراشی اور طویل جگر کاوی کے بعد اب آپ کا یہ ظلوم و جہول دوست حافظ شیرازی (وفات: ۱۳۹۰ء) کے اِس شعر کے ساتھ آپ سے اجازت چاہتا ہے:

بال بگشا و صفیر از شجر طوبیٰ زن
حیف باشد چو تو مرغے کہ اسیر قفسی!

(لکھنؤ، ۱۵/ ستمبر ۲۰۲۰ء، نظر ثانی: اپریل ۲۰۲۴ء)

---

* یہاں ’مہدی‘ کا لفظ معروف اصطلاحی مفہوم میں نہیں، بلکہ یہ اپنے وسیع تر معنوں میں ایک بلیغ ادبی تلمیح کی حیثیت سے استعمال کیا گیا ہے، یعنی مابعد رسالت تکییف سے خالی انسان۔